قرآنِ مجید کا طرزِ استدلال

علامہ حمید الدین فراہیؒ

ترجمہ: ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی

[ترجمان القرآن علامہ حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ نادر مضمون جس کا اردو ترجمہ نظرِ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے، مولانا عبداللہ عمادی مرحوم کے عربی رسالہ البیان لکھنؤ میں ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۲۴ھ کے شمارہ ۸ (جلد ۵) میں "محاجّۃ الوحی" کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ علامہ کے قیام کراچی کا یہ آخری زمانہ تھا۔ علامہ فراہی کا انتقال ۱۹۳۰ء میں ہوا اس طرح یہ مضمون انتقال سے کم از کم پچیس سال قبل لکھا گیا تھا۔ مضمون کے مطالعہ سے خیال ہوتا ہے کہ شائد یہ علامہ کی نہایت اہم غیر مطبوعہ اور ناتمام کتاب "حجج القرآن" کی کوئی فصل ہوگی جس کا مسودہ دائرہ حمیدیہ سرائے میر۔ اعظم گڈھ میں محفوظ ہے

اس ترجمہ کے باب میں عرض ہے کہ یہ ہرگز اشاعت کے قابل نہ ہوتا اگر محترم مولانا امانت اللہ اصلاحی صاحب نے اپنی مصروفیات اور خرابی صحت کے باوجود اس پر بھرپور نظرِ ثانی کی زحمت نہ اٹھائی ہوتی۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء ــــ مترجم]

(۱)

نبی امت کے لیے باپ کی مانند ہوتا ہے، وہ امت پر غایت درجہ شفیق اور علم میں سب پر فائق ہوتا ہے، اسی لیے وہ امت کو ایک عام آدمی کی طرح مخاطب نہیں کرتا۔ اور جب قوم اپنی حماقت، تکبر اور ہٹ دھرمی کے سبب اس کی دعوت کا انکار کرتی ہے تو اسے بے حد رنج ہوتا ہے، نبی کا حال اس شفیق باپ کی طرح ہوتا ہے جو اپنے مریض بیٹے کو دوا دینا چاہتا ہے اور بیٹا دوا لینے کے بجائے باپ سے بحث کرتا ہے اور اس کی نصیحت پر توجہ نہیں کرتا،

باپ کبھی نرمی سے سمجھاتا ہے، اور کبھی طرح دے جاتا ہے، کہ شائد خود باز آجائے، ایک بات کو ماننے سے انکار کرتا ہے تو باپ بحث و تردید کے دلدادہ مناظرہ باز کی طرح اس بات پر اصرار نہیں کرتا بلکہ اس کے سامنے کوئی اور دلیل پیش کرتا ہے کہ شائد وہ کارگر ہو۔ اگر تمہیں کسی باپ کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ہو کہ وہ کس شفقت و محبت سے اپنے ضدی بیٹے کے ساتھ پیش آتا ہے، یا کسی مصلح کو کہ وہ کیسی ہمدردی اور دلسوزی سے اپنی بگڑی ہوئی قوم کی اصلاح کی کوشش کرتا ہے تو کسی قدر اندازہ ہوگا کہ نبی کا رویہ اپنی امت کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔

(۲)

اگر نبی کی تعلیمات تک عقل کی رسائی از خود ممکن ہوتی تو انبیاء کی ضرورت نہ تھی، اور اگر اس کی باتیں خلاف عقل اور بعید از عقل ہوتیں تو اوّلاً اس پر کم عقلوں کے سوا جو کسی معجزہ کو دیکھ کر صرف تقلید میں ایمان لائے ہوں، کوئی ایمان نہ لاتا۔ ثانیاً ان تعلیمات کو بقاء اور رسوخ حاصل نہ ہوتا۔ ثالثاً معجزہ پیش کرنے سے قبل نبی قوم کو قصوروار نہ ٹھہراتا۔ لیکن جب واقعہ یہ ہے کہ معجزہ پیش کرنے سے قبل قصوروار ٹھہرایا گیا، اور انبیاء کی تعلیمات پر اصحاب عقل ایمان لائے، نیز ان ارباب دانش کے دلوں میں انھیں رسوخ ملا جنھیں تقلید سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ تو معلوم ہوا کہ انبیاء کی تعلیمات عقل کو اپیل کرتی تھیں، چنانچہ جب اس کے سامنے پیش کی جاتی تھیں تو ان کو اس طرح قبول کرتی تھی جیسے کسی کا محب و عزیز بھائی کسی دور دراز مقام سے اسے میوے بھیجے اور وہ مزے لے لے کر کھائے، ایمان کی حلاوت بھی ایسی ہی ہوتی ہے جس کا تجربہ ہر مومن کو ہوتا ہے۔

اوپر ہم نے یہ جو کہا کہ عقل کی از خود رسائی ان تعلیمات تک نہیں ہو سکتی تھی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ رسائی بالکل محال ہے۔ مقصود صرف یہ ہے کہ اسباب گمراہی کا ہر طرف دور دورہ ہوتا ہے اس لیے کہ دنیاوی زندگی پر مادی و حسی لذات و شہوات اور مصائب و آلام چھائے ہوتے ہیں، اور جس طرح آسمان اپنے تاروں کے ذریعہ کرۂ زمین کو روشن کرتا ہے، اسی طرح ایک روحانی آسمان اپنے تاروں کے ذریعہ دلوں کو منور کرتا ہے۔

(۳)

جس طرح انبیاء کے دلوں میں قبول وحی کی استعداد ہوتی ہے، اسی طرح ہمارے دلوں میں انبیاء کی تعلیمات کو قبول کرنے کی استعداد ہوتی ہے۔ یہ استعداد دراصل وہ تیز حس ہوتی ہے جس کی اساس محبت اور ہمہ گیر شفقت اور مہربانی پر ہے۔ اسی سے دل دنیا کی آلائشوں سے پاک

ہوتا ہے، نعمتوں کا فیضان کرنے والی ذات کی جانب متوجہ ہوتا ہے، اور انسانوں کے لیے شفقت و محبت کا پیکر بن جاتا ہے۔ کیونکہ اسے نعمتوں کا عرفان حاصل ہوتا ہے، اور اس کے نتیجہ میں شکر و احسان کے جذبات اس طرح امنڈ آتے ہیں جیسے چھاتی لبریز ہو جائے اور اس سے دودھ پھوٹ پڑے۔ یہی سبب ہے کہ فیاضی اور دریا دلی بلکہ انسانوں سے عشق سب سے زیادہ انبیاء کرام میں ہوتا ہے، اسی طرح ایمان لانے میں سبقت وہ لوگ کرتے ہیں جو سب سے زیادہ رحمدل ہوتے ہیں۔ مومنین کی صفت بھی یہ بتائی گئی ہے کہ وہ نرم خو اور خاکسار ہوتے ہیں۔

(۴)

نبی اپنی دعوت میں اسی حس کو مرکز توجہ بناتا ہے، اور انسانوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اللہ کی نعمتوں پر جن سے کائنات کا کوئی گوشہ خالی نہیں اور خود اپنی ذات پر غور کریں۔ نعمتوں پر یہ غور و فکر اس میثاق کا نقطۂ آغاز ہے جس کی بنیاد پر بندوں کا معبود سے رشتہ قائم ہوا ہے۔ اسی میثاق سے نبی کی تعلیم کی ابتدا ہوتی ہے۔ یہ میثاق نبی کے نزدیک واضح ترین حقیقت ہوتی ہے چنانچہ وہ اسے دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش نہیں کرتا، بلکہ مسلمہ اصول کی طرح اسے بنیاد بنا کر اپنی دعوت شروع کرتا ہے۔ ارشاد ہے:

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالرَّسُوْلُ	اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں
يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ	لاتے، درانحالیکہ رسول بھی تم کو تمہارے رب پر
اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ	ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہے، اور وہ
(حدید: ۸)	تم سے مضبوط عہد لے چکا ہے اگر تم مومن ہو

اس آیت میں بجائے اس کے کہ دلیل سے ثابت کیا جاتا کہ کوئی عہد مخاطب سے لیا گیا تھا صرف اس کی خبر دی گئی اور فرمایا: "اگر تم مومن ہو"۔

اس کے بعد فرمایا ہے:

هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ	وہی ہے جو اپنے بندے پر واضح آیات
اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ	نازل کرتا ہے تاکہ تمہیں تاریکیوں سے نکال کر
الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ	روشنی کی طرف لائے اور بے شک اللہ تم
بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (حدید: ۹)	پر نہایت ہی شفیق اور مہربان ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے صرف اپنی رأفت و رحمت کا ذکر کیا جو انھیں اپنی آغوش میں لیے

ہوئے ہے اور فرمایا کہ وہ جہالت کی تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ انھیں علم و معرفت کی روشنی میں لانا چاہتا ہے۔ یہاں اس کے علاوہ کوئی دلیل نہیں دی۔ البتہ میثاق کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ گویا جو شخص یہ محسوس نہ کرے کہ اس کا اپنے رب کے ساتھ کوئی عہد و پیمان ہے وہ اس لائق نہیں کہ اسے مخاطب کیا جائے، جیسے کوئی شخص مسلمہ اصولوں کا انکار کر دے، ظاہر ہے ہر علم کے کچھ مسلمہ اصول و مبادی ہوتے ہیں اور ان کو تسلیم کیے بغیر کوئی گفتگو نہیں کی جا سکتی۔

پھر اہل نور اور اہل ظلمت کے حال کی تصویر کشی کے بعد فرمایا:

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ	کیا ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے وہ وقت
تَخْشَعَ (ای تسھل وتلین)	نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر اور جو
قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا	حق نازل ہوا ہے اس کے لیے نرم ہو جائیں
نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ (الذی واضح	(جو بذات خود بالکل واضح ہے) اور ان لوگوں
بنفسہ) وَلَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ	کی طرح نہ بن کے رہ جائیں جن کو اس سے
اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ	پہلے کتاب دی گئی پس ان پر طویل مدت گزر
عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ	گئی۔ بالآخر ان کے دل سخت ہو گئے اور
قُلُوْبُهُمْ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ	ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔ یاد رکھو کہ اللہ
فٰسِقُوْنَ ۝ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ	زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مردہ ہو جانے
یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا	کے بعد۔ ہم نے تمہارے لیے اپنی آیات
قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ	واضح طور سے بیان کر دی ہیں تاکہ تم سمجھ بوجھ
تَعْقِلُوْنَ ۝ (حدید: ۱۶-۱۷)	سے کام لو۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت کی ایک مثال پیش کی کہ جس طرح وہ مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے اور وہ لہلہا اٹھتی ہے اور خیر و برکت کا سامان بن جاتی ہے، اسی طرح وہ دلوں کو زندہ کرتا ہے۔ پھر ان لوگوں کا حال بیان کیا جو اللہ کی راہ میں انفاق اور بندگان خدا سے ہمدردی و مواسات کے صلہ میں روحانی زندگی اور نور سے بہرہ مند ہوئے۔ اس کے بعد دنیاوی زندگی کی حقیقت بیان فرمائی جو اسباب ظلمت سے بھری ہوئی ہے اور فریب ہی فریب ہے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ انھیں جنت کی وسعتوں کی طرف بلاتا ہے۔ فرمایا:

اِعْلَمُوْٓا اِنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا	جان لو کہ دنیا کی زندگی لہو و لعب، زینت و

لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝
(حدید: ۲۰-۲۱)

آرائش، فخر ومباہات اور زیادہ سے زیادہ مال و اولاد حاصل کرنے کی حرص کا نام ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے بارش ہو اور اس کی لہلہاتی ہوئی فصل کفار کو فریفتہ کردے۔ پھر وہ خشک ہو جائے اور تم اسے زرد دیکھو پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جائے۔ اور آخرت میں ایک عذاب شدید بھی ہے اور اللہ کی طرف سے مغفرت اور خوشنودی بھی اور دنیا کی زندگی تو بس دھوکے کا سامان ہے۔ تم مسابقت کرو اپنے رب کی مغفرت اور ایک ایسی جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین کی وسعت کے مانند ہو گی۔ وہ تیار کی گئی ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے۔ وہ اپنا فضل جس کو چاہے بخشے اور اللہ بڑا ہی فضل والا ہے۔

آپ نے دیکھا کہ یہاں استدلال میں ان امور کے سوا کچھ ذکر نہیں کیا جو بالکل ظاہر اور دلیل سے بے نیاز ہیں۔ یہی "ذکر" کا مفہوم ہے، اور اسی حقیقت کی تعبیر دوسری جگہ یوں کی گئی ہے:

وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا (نساء: ۶۳)

یعنی ان سے ایسی بات کہو جو ان کے دلوں پر اثر انداز ہو، اور ان قلبی احساسات کو بیدار کرے جو ان میں ودیعت کیے گئے ہیں۔ معلوم یہ ہوا کہ نبی کا کام صرف "ذکر" ہے اس کے بس میں یہ نہیں ہے کہ انسانوں کے دلوں میں از سر نو کسی چیز کو وجود بخشے۔ وہ ان حقائق کی یاد دہانی کرتا ہے جو پہلے سے ان کے دلوں میں موجود ہیں لیکن ان پر غفلت و نسیان کے پردے پڑ گئے ہیں۔ اس بات کی صراحت قرآن مجید نے بھی کی ہے اور انجیل نے بھی اور ارباب دانش نے بھی اس کا ادراک کیا ہے۔

(۵)

یہی حقیقت ہے جسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے یوں بیان کیا ہے کہ حکمت کا نقطۂ آغاز خشیت الٰہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز کے شروع ہی میں فرمایا کہ وہ

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ (بقرہ: ۱) ہدایت ہے اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے۔

گویا جس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں، شہوات میں منہمک ہے، دنیوی لذات ہی اس کا مطمح نظر ہیں اس نے دین کی حس کھودی اور علم کے دروازے کو بند کر دیا۔ اس لیے اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ لوگوں میں خشیت کی حس کو بیدار کریں۔ فرمایا:

وَذَكِّرْهُم بِأَيَّامِ اللَّهِ (ابراہیم:۵) اور اللہ کے عبرتناک ایام کا ذکر کر کے انھیں نصیحت کرو۔

اور اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتابوں میں عذاب کا ذکر بکثرت کیا ہے تاکہ لوگوں کے اندر خشیت بیدار ہو، اور علم الٰہی کے لیے استعداد پیدا ہو۔ یہ خشیت ایسی چیز نہیں کہ اس سے عقل پر حجاب پڑ جائے بلکہ وہ عقل کو فکر و نظر پر آمادہ کرتی ہے۔ کیونکہ جسے غفلت کے انجام بد کا خوف نہ ہو وہ کسی کام کے لیے سنجیدگی سے جدوجہد نہیں کر سکتا۔ یہ خشیت علم و فہم کا نتیجہ ہوتی ہے، اس لیے کہ جس کے پاس علم نہیں ہوتا اسے کوئی اندیشہ نہیں ہوتا جیسے اندھا جو کسی گڑھے کے کنارے کھڑا ہو، اسے کچھ خبر نہیں کہ اس کے آگے کیا ہے، چنانچہ اسے کچھ پروا نہیں یہاں تک کہ وہ اس میں گر پڑتا ہے۔ الغرض جس طرح دلوں میں فضائل اور بلندی کی طرف رغبت کی حس ہوتی ہے اسی طرح رذائل اور پستی سے خوف کی بھی حس ہوتی ہے۔ نبی اسی حس کو بیدار کرتا اور جلا دیتا ہے تاکہ وہ اس حق مبین اور نور ہدایت کو قبول کر سکیں جو ان کے سامنے وہ پیش کرتا ہے۔

(۶)

سطور بالا میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس پر اگر تم غور کرو گے تو اس سے دو باتیں واضح ہو کر سامنے آئیں گی:

اول یہ کہ انبیاء انسانوں کے سامنے واضح حقائق پیش کرتے ہیں، مگر اس طور پر کہ وہ انھیں فہم، بصیرت، یقین اور پورے اطمینان قلب سے قبول کریں۔

دوم یہ کہ وہ معجزے کا سہارا آخری علاج کے طور پر لیتے ہیں اور معجزہ کے مطالبہ سے انھیں رنج ہوتا ہے۔ اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ معجزہ دلیل نہیں ہوا کرتا، اور جس شخص کے لیے حکیمانہ

ذٰلِكَ هُوَالْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝ (زمر:۱۱-۱۵)

والے تو وہی ہیں جو روز قیامت خود اپنے سے اور اپنے گھر بار سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ سنو یہی سب سے کھلا گھاٹا ہے۔

پہلی دو آیتوں کی تفسیر علامہ ابن جریر اس طرح کرتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ اے محمد تم اپنی قوم کے مشرکوں سے کہہ دو کہ اللہ نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں اس کی عبادت (بندگی) کروں اس کے لیے اطاعت کو تنہا الگ کرتے ہوئے۔ ان تمام معبودوں اور ساجھیوں کو چھوڑ کر جنھیں تم اسے (اللہ کو) چھوڑ کر پکارتے (اور ان سے دادرسی کرتے) ہو۔ 'وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ' اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرماں برداروں میں پہلا ہوں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ 'مجھے میرے رب جل شانہ نے اس کا حکم دیا ہے۔ تاکہ میں یہ کر کے تم سب میں (اس کا) پہلا فرماں بردار بن جاؤں۔ جو اس کے لیے جھک جائے توحید کی راہ پکڑ کر۔ اور اس کے لیے عبادت (بندگی) کو بے آمیز کرے۔ اور اس کے سوا دوسرے تمام معبودوں سے برأت اختیار کرے۔ 'قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ' کہو کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد ان سے کہہ دو کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں اس معاملہ میں جس کا اس نے مجھ کو حکم دیا ہے یعنی (تنہا) اس کی عبادت (بندگی) اطاعت کو اس کے لیے بے آمیز اور ربوبیت میں تنہا اس کو الگ کرتے ہوئے تو مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے یعنی قیامت کا دن۔ جبکہ یہ دن ہوگا کہ اس کی ہولناکی حد درجہ بڑھی ہوگی۔"[۱۸]

اسی طرح بعد کی آیات 'قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ..... ذٰلِكَ هُوَالْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ' کے سلسلے میں وہ رقم طراز ہیں:

اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ اے محمد اپنی قوم کے مشرکوں سے کہہ دو کہ میں بس اللہ کی عبادت (بندگی) کرتا ہوں

بے آمیز طور پر اس کے لیے اپنی اطاعت اور عبادت کو تنہا الگ کرتے ہوئے۔ اس میں کسی دوسرے کو اس کا ساجھی نہیں ٹھہراتا۔ بلکہ میں خدائی کو تنہا اس کے لیے الگ کرتا ہوں۔ اور اس کے سوا دوسرے تمام معبودوں اور ساتھیوں سے برات اختیار کرتا ہوں۔ البتہ لوگو تم آزاد ہو کہ بتوں اور مورتیوں اور اس کے علاوہ اس کی مخلوقات میں سے جن بے شمار چیزوں کی تم بندگی (عبادت) کرتے ہو، ان کی بندگی (عبادت) میں لگے رہو۔ پس عن قریب تمہارے سامنے تمہاری اس بندگی (عبادت) کا وبال اور برا انجام سامنے آجائے گا۔ جب تمہارا اپنے رب سے ملنا ہوگا۔

خدا کی بندگی اور عبادت اور خدا تعالیٰ کو پکارنا، اس سے آہ وزاری کرنا اور اس کی بارگاہ سے اپنے کو وابستہ کر لینا قرآن ان دونوں باتوں کو ایک دوسرے کے مرادف کے طور پر نقل کرتا ہے۔ اور یہاں خدا کو پکارنے کے ساتھ بھی اس کی بے لاگ اطاعت کی قید لگی ہوئی ہے:

وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ: (اعراف: ۲۹)	اور اپنے رخ کو سیدھا کرو ہر نماز کے وقت (اللہ کے لیے) اور اسے پکارو اس کے لیے اطاعت کو بے آمیز کرتے ہوئے۔
فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (غافر: ۱۴)	سو تم (صرف) اللہ کو پکارو اس کے لیے اطاعت کو بے آمیز کرتے ہوئے۔ گو یہ کافروں کو ناگوار ہو۔
هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ (غافر: ۶۵)	وہی زندہ ہے، اس کے سوا دوسرا معبود نہیں، سو تم اسے پکارو اطاعت کو اس کے لیے بے آمیز کرتے ہوئے۔

انبیاء کی پیروی

۳۔ آگے قرآن اس اجمال کو مزید تفصیل کا قالب عطا کرتا ہے۔ جہاں وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس سے ڈر کر زندگی گزارنے کے لیے جملہ معاملات زندگی میں حضرات انبیاء علیہم السلام کی بے لاگ پیروی کو لازم قرار دیتا ہے۔ سورۂ شعراء میں حضرات نوحؑ، ہودؑ، صالحؑ

اور شعیبؑ کی دعوت پیش کرتے ہوئے قرآن خدا سے ڈرنے کے ساتھ نبی کی مکمل اطاعت کو اس کا ایک ناگزیر تقاضا تصور کرتا ہے۔ ان تمام انبیاء کرامؑ کی دعوت کے الفاظ قرآن نے یہ نقل کیے ہیں، ہر ایک نے اپنی قوم کو خطاب کر کے یہی ایک بات کہی:

اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ	میں تمہارے حق میں پیغامبر ہوں امانت دار
فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ [۲۰]	سو تم اللہ سے ڈرو اور (زندگی کے تمام معاملات میں) میری پیروی کرو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام قوم یہود کے سامنے اپنی تشریعی حیثیت واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ	اور مجھ سے پہلے جو تورات ہے میں اس کا
مِنَ التَّوْرٰۃِ وَلِاُحِلَّ لَکُمْ	مصداق ہوں۔ اور (میں اس لیے آیا ہوں)
بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْکُمْ	تاکہ میں حلال قرار دوں کچھ ان چیزوں کو جو
وَجِئْتُکُمْ بِاٰیَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ	تم پر حرام کر دی گئیں۔ اور میں تمہارے رب
فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ ○	کے پاس سے بڑی نشانی لے کر آیا ہوں۔
(آل عمران: ۵۰)	سو تم اللہ سے ڈرو۔ اور (جملہ معاملات زندگی میں) میری پیروی کرو۔

آگے اس کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ کوئی معمولی حکم نہیں ہے۔ اس کے بغیر خدا کی بندگی اور عبادت کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا۔

اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ	بیشک اللہ ہی میرا اور تمہارا رب ہے۔ سو
ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ○	تم اس کی عبادت (بندگی) کرو۔ یہی سیدھا
(۵۰)	راستہ ہے۔

دوسرے مقام پر بھی حضرت مسیحؑ قوم یہود کو اسی بات کی تلقین کرتے نظر آتے ہیں:

قَدْ جِئْتُکُمْ بِالْحِکْمَۃِ وَ	ضرور میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا
لِاُبَیِّنَ لَکُمْ بَعْضَ الَّذِیْ	ہوں۔ اور (اس لیے آیا ہوں) تاکہ تمہارے
تَخْتَلِفُوْنَ فِیْہِ فَاتَّقُوا اللّٰہَ	لیے کھول سکوں ان کی کچھ چیزوں کو جن
وَاَطِیْعُوْنِ ○ اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ	میں تم (باہم) جھگڑتے ہو۔ سو تم اللہ سے

رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ○ (زخرف: ۶۳-۶۴)

ڈرو۔ اور (تمام معاملات میں) میری پیروی کرو۔ بیشک اللہ ہی میرا اور تمہارا رب ہے۔ سو تم اس کی عبادت (بندگی) کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔

دوسری جگہ حضرت نوحؑ بھی اپنی قوم کو یہی پیغام دیتے ہیں:

قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ○ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ○ (نوح: ۲،۳)

فرمایا کہ اے میری قوم کے لوگو۔ میں تمہارے حق میں پیغامبر ہوں امانت دار (پیغام) یہ کہ تم (تنہا) اللہ کی عبادت (بندگی) کرو اور اس سے ڈرو اور (معاملات زندگی میں) میری پیروی کرو۔

اور آخر میں پورے زمرۂ انبیاء کا حق قرآن نے یہ قرار دے دیا کہ:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (نساء: ۶۴)

اور ہم نے جو رسول بھی بھیجے تو اس لیے کہ بحکم خدا (جملہ معاملات زندگی میں) ان کی (تمام و کمال) پیروی کی جائے۔

رسول کی اطاعت دراصل اللہ کی اطاعت ہے۔ اس سے منہ موڑ کر آدمی اپنے کو محرومیوں کے کھڈ میں گرا لیتا ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا (نساء: ۸۰)

اور جو کوئی رسول کی پیروی کرے سو اس نے اللہ کی پیروی کی۔ اور جو کوئی روگردانی کرے تو ہم نے ان پر آپ کو نگراں بنا کر نہیں بھیجا ہے۔

یہ روش صریحاً کفر و انکار کی روش ہے۔ کسی مسلمان کا یہ شیوا نہیں ہو سکتا

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ (آل عمران: ۳۲)

کہو کہ (اپنے تمام معاملات میں) کہا مانو اللہ کا اور رسول کا پس اگر یہ روگردانی کریں تو (معلوم ہو کہ) اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

مسلمان اپنے جملہ معاملات زندگی میں کسی تحفظ اور کسی لاگ لپیٹ کے بغیر خدا اور

اس کے رسول کی پیروی کرتا ہے جس کے نتیجے میں وہ دوسری زندگی میں بلند ترین درجات سے ہمکنار ہوتا ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (نساء:۶۹)	اور جو کوئی پیروی کرے (اپنے تمام معاملات میں) اللہ کی اور رسول کی تو یہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ کا انعام ہوگا۔ یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ اور یہ کیا ہی بہترین ساتھی ہیں۔

بندگی رب کے وسیع تر تقاضے

۴۔ اس کے علاوہ قرآن حق تعالیٰ کی عبادت اور بندگی کو دوسرے بے شمار احکامات کے ساتھ جوڑ کر بیان کرتا ہے۔ جن کا دائرہ وسیع تر معاملات زندگی کو محیط ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ جب تک انسان اپنی پوری زندگی میں خدائی احکام و ہدایات پر عمل نہیں کرتا اس کا بندگیٔ رب کا دعویٰ تشنۂ تکمیل رہتا ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۝ (نساء:۳۶)	اور (ایک) اللہ کی بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو ساجھی نہ کرو۔ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور رشتہ داروں کے ساتھ اور یتیموں کے ساتھ اور مسکینوں کے ساتھ اور رشتہ دار پڑوسی کے ساتھ اور اجنبی پڑوسی کے ساتھ اور پہلو کے ساتھی کے ساتھ اور مسافر کے ساتھ اور ان کے ساتھ جو تمہارے زیر دست ہیں (یعنی لونڈیاں اور غلام)۔ بیشک اللہ کو نہیں بھاتا وہ جو گھمنڈی ہے، شیخیاں مارتا ہے۔

سورۂ اسراء میں ایک خدا کی بندگی کے ساتھ یہ احکام و ہدایات اور بھی مفصل بیان ہوئے ہیں جنھوں نے انسانی زندگی کے انفرادی و اجتماعی تمام گوشوں کا احاطہ کر لیا ہے:

اور تیرے رب کا فیصلہ ہے کہ (لوگو) تم صرف اسی کی عبادت (بندگی) کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انھیں اف نہ کہو نہ انھیں جھڑکو بلکہ ان سے ادب سے بولو۔ اور ان کے لیے مہر بھری عاجزی کے پر جھکا دو اور عرض گزار ہو کہ پروردگار! ان پر مہربانی فرما جیسا کہ انھوں نے مجھے (مہر و محبت سے) پالا بچپن میں۔ تمہارے رب کو خوب جانکاری ہے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ اگر تم نیکوکار ہو تو وہ (ایسے) جھکنے والوں کو بڑا بخشنے والا ہے۔ اور رشتہ دار کو اس کا حق دو۔ ایسے ہی مسکین اور مسافر کو۔ اور فضول خرچی بالکل نہ کرو۔ فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔ اور اگر کبھی تم ان (رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں) سے رخ پھیرو اپنے رب کی مہربانی (مالی کشادگی) کی تلاش میں جس کی تم امید لگائے ہو تو تم ان سے آسانی پیدا کرتی بات کہو۔ اور اپنا ہاتھ کھینچ کر گردن سے نہ باندھ لو اور نہ اسے بالکل کھلا چھوڑ دو کہ نتیجے میں بیٹھ جاؤ نشانۂ ملامت بن کر کف افسوس ملتے۔ تیرا رب روزی پھیلا کر دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور (کچھ کو) ناپ کر دیتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کو خوب جاننے، دیکھنے والا ہے۔ اور اپنی اولاد کو فاقہ کشی کے ڈر سے جان سے نہ مارو ہم انھیں بھی روزی دیتے ہیں اور تمہیں بھی۔ ان کا جان سے مارنا بڑی غلطی ہے۔ اور بدکاری (زنا) کے پاس نہ جاؤ۔ یہ کھلی بے حیائی اور برا راستہ ہے۔ اور اس جان کو جس کی حرمت اللہ نے ٹھہرائی ہے حق کے سوا نہ مارو۔ اور جو کوئی نشانہ ظلم بن کر مارا جائے تو ہم نے اس کے ولی کے لیے اختیار رکھا ہے سو وہ جان لینے میں حد سے نہ بڑھے۔ ضرور اس کی مدد ہونی ہے۔ اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ سوائے اس طریقہ کے جو بہتر سے بہتر ہو یہاں تک کہ وہ سمجھ کو پہنچ جائے اور پیمان کو پورا کرو ضرور پیمان کی پوچھ ہونی ہے۔ اور ناپ پوری کرو جب تم ناپو اور ٹھیک تول سے تولو۔ یہی زیادہ بہتر اور انجام کار کے لحاظ سے خوب تر ہے اور پیچھے نہ لگو اس چیز کے جس کا تمہیں کچھ پتہ نہ ہو۔ ضرور کان، آنکھ اور